© rasailojaraid.com

مشرقِ وسطیٰ میں امریکی حکمتِ عملی

مسلم سجاد

خلیج کی جنگ اور میڈرڈ کانفرنس ۱۹۹۱ کے بعد مشرق وسطیٰ میں قیام امن کے جس عمل کا آغاز اوسلو معاہدہ اور یاسر عرفات اور اسحاق رابن کے مصافحہ سے امریکہ کی نگرانی میں ہوا' وہ فلسطینی کونسل کے انتخابات اور اسرائیل میں بسوں اور بازاروں میں بم دھماکوں کے بعد' فلسطینی نام نہاد خود مختار علاقے میں اسرائیلی افواج کی کھلی مداخلت 'گھروں کو جلانے اور اسکولوں کو تہس نہس کرنے (اس لیے کہ ان نرسریز میں حماس کے مجاہدین تیار ہوتے ہیں) تک پہنچا ہے۔ امریکی سی آئی اے کے افسران فلسطین کے "صدر" سے کہہ رہے ہیں کہ فلاں پانچ "دہشت گردوں" کو گرفتار کرو ورنہ --- (ہم خود کر لیں گے)۔ "دہشت گردی" اہم عالمی مسئلہ ہے جس کے مقابلے کی حکمت عملی کو مزید موثر بنانے کے لیے مصر کے شہر شرم الشیخ میں ۲۹ ممالک کے سربراہ جمع ہوگئے اور اسرائیل کو ۱۰ کروڑ ڈالر کی امداد بھی دے دی گئی۔ پاکستان کے وزیر داخلہ بھی حسنی مبارک کے لیے نیک خواہشات کا پیغام لیے دستخط کرنے کو پہلے ہی حاضر ہوگئے اور وزیراعظم اپنے ملک کے دینی مزاج کو انتہا پسندی کا عنوان دے کر مسخ کرنے پر شاباش کی طالب نظر آتی ہیں۔

ایک صدی کے اختتام اور دوسری صدی کے آغاز پر امت مسلمہ کے لیے یہ منظرنامہ ترتیب دینے میں سرد جنگ کے بعد کی بڑی عالمی قوت' امریکہ کا کھلا ہاتھ ہے جسے خفیہ رکھنے کا تکلف جدید ڈپلومیسی میں بے ضرورت محسوس ہوتا ہے۔ واشنگٹن میں سینیٹ بلڈنگ میں مڈل ایسٹ پالیسی کونسل نے متعلقہ موضوعات پر غور و فکر کے لیے چھ اجلاسوں کا ایک سلسلہ منعقد کیا۔ ایک اجلاس میں وزیر دفاع ولیم پیری نے اظہار خیال کیا اور دوسرے میں ماہرین نے امریکی حکمت عملی کے لیے تجزیہ پیش کیا۔ ان کے خیالات سے حالیہ سیاسی منظر کے پس پردہ کارفرما حکمت عملی کا ادراک ہو سکتا ہے۔

ولیم جے پیری' امریکی وزیر دفاع۔

جنگ عظیم یا سرد جنگ کے زمانے کے برخلاف' موجودہ یا پیش آمدہ خطرات سے امریکہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجود اور بقا کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اب ہم اپنی افواج کہاں اور کیوں استعمال کریں؟ میں یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ خلیج اور شرق اوسط میں ہمارے حساس مفادات ہیں اور اگر انھیں خطرہ ہو تو ان کے تحفظ کے لیے ہمیں اپنی افواج استعمال کرنا چاہییں۔ میری رائے ہے کہ سفارت کاری اس وقت موثر ہوتی ہے جب اس کی پشت پر فوجی طاقت ہو اور سب کو معلوم ہو کہ یہ استعمال بھی کی جا سکتی ہے۔ خلیج کے علاقے میں اسرائیل، سعودی عرب، کویت، خلیجی ممالک، ہمارے حلیف ہیں جنھیں ایران اور عراق سے خطرہ درپیش ہے۔ یہ دونوں ممالک ایک دوسرے کے کتنے ہی دشمن ہوں، امریکی مفادلت کے خلاف کام کرنے میں ایک ہیں۔ یہی دو ملک ایٹمی طاقت بن سکتے ہیں۔ خلیج کی سلامتی کو خطرہ، امریکہ کے معاشی مفادلات کے لیے خطرہ ہے۔ خلیج کے ۵ ممالک ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک کے تیل کے ذخائر شمالی امریکہ کے کل ذخائر سے زیادہ ہیں۔ ہم تیل کے چشموں پر کسی دشمن طاقت کا کنٹرول برداشت نہیں کر سکتے، اسی لیے ہم نے کویت پر عراق کے حملہ کو ناکام بنایا۔ اس سے دیگر فوائد کے علاوہ ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ہماری ساکھ قائم ہوگئی کہ ہم جنگ لڑ سکتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اسرائیل اور اس کے پڑوسیوں کے درمیان امن کا راستہ کھل گیا۔ اس سے انتہا پسند ریاستوں کے عربوں کے قائد بننے کے امکانات ختم ہو گئے اور ہمارے حلیف ممالک کے لیے نئی اور مثبت پالیسیاں اختیار کرنا ممکن ہو گیا۔

خلیج کی جنگ کے موقع پر ہمیں اپنی افواج پہنچانے میں کئی ماہ لگ گئے۔ خلیجی ممالک میں مداخلت اور کارروائی کی شرائط طے کرنے میں بھی کافی وقت لگا۔ لیکن اب اکتوبر ۹۴ میں جب عراق نے اپنی فوج کویت کی سرحد پر پہنچائی تو صرف تین دن میں ہماری افواج محاذ پر تھیں، ہم ڈیڑھ لاکھ فوج استعمال کرنے کی پوزیشن میں تھے اور پھر ہمارے ایک بیان پر صدام کو اپنی فوجیں واپس بلاتے ہی بنی۔ جائزہ لیا جائے تو ۱۹۹۱ اور اب میں فرق یہ ہے کہ اس دوران کی جانے والی فوجی اور سفارتی تدابیر نے ہماری اقدام کرنے کی صلاحیت فیصلہ کن حد تک بڑھا دی ہے۔ علاقے میں اسلحہ کے ذخائر ہر وقت تیار ہیں۔ خلیج کے ممالک کے ساتھ ہماری مشترکہ مشقیں ہوتی رہتی ہیں۔ پھر یہ کہ جوابی حکمت عملی ہمیں طے نہیں کرنا ہوتی، بلکہ پہلے سے منظور شدہ ہے۔

ہورس ایڈل، ماہر امور مشرق وسطیٰ، نیشنل انٹیلی جنس کونسل

عربوں اور اسرائیل میں قیام امن کے عمل کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ خلیج کی جنگ تھی جس نے میڈرڈ کانفرنس کا راستہ کھولا۔ عراق کی شکست امن مسترد کرنے والوں کی شکست تھی۔ تل ابیب پر میزائل حملوں نے اسرائیل کو بھی امن کی ضرورت کا احساس دلایا۔ اس طرح دونوں طرف حقیقت پسندی کا رجحان سامنے آیا۔ اب امید ہے کہ اس عشرے کے دوسرے نصف میں چاروں محاذوں پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاہدات کے بعد امن قائم ہو گا اور ایشیا اور افریقہ کے درمیان خشکی کے وہ تاریخی راستے کھل جائیں گے جو ۱۹۴۷ سے بند ہیں۔

شمالی افریقہ کے حالات اتنے خوشگوار نظر نہیں آتے۔ الجیریا کی خانہ جنگی نے پورے علاقے کو عدم استحکام کا شکار کر دیا ہے۔ یہاں سیاسی معاہدہ وقت کی ضرورت ہے۔ خلیج کے علاقے میں ایران اور عراق کے متوقع اقدامات کے پیش نظر امریکی افواج کی موجودگی یہاں ناگزیر ہے۔ ایران بین الاقوامی دہشت گردی کا سب سے بڑا سرپرست ہے' اگر روکا نہ گیا تو ۲۰۰۰ تک وہ ایٹمی طاقت بن جائے گا۔ عراق کے پاس اب بھی ۲ ہزار ٹینک اور ۳ سو جنگی جہاز ہیں۔ پابندیوں کے باوجود وہ مزید اسلحہ جمع کر رہا ہے۔ جو لوگ عراق پر سے پابندیاں اٹھانے کی بات کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ جیسے ہی اسے تیل کی اپنی آمدنی ملنا شروع ہوئی (۱۵ بلین ڈالر) وہ اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کرے گا۔ عراقی حکومت تبدیل ہوئے بغیر' عراق کو بین الاقوامی دنیا میں آنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔

اس علاقے میں ایٹمی ہتھیار روکنے اور حقیقی اقتصادی ترقی کی ضرورت ہے۔ معاشی بدحالی انتہا پسندی کو جنم دیتی ہے اور بے روزگاری سے تشدد پیدا ہوتا ہے۔

ولیم کوانیڈٹ 'پروفیسر گورنمنٹ اینڈ پالیٹکس 'یونیورسٹی آف ورجینیا

مشرق وسطیٰ میں اصل کمی امن ' جمہوریت اور ترقی کی رہی ہے۔ ایران عراق جنگ ہو' عرب اسرائیلی جنگ ہو یا عربوں کی باہمی جنگیں' علاقے نے اس کی بڑی قیمت ادا کی ہے۔ اس علاقے کے لوگوں کے حصے میں بڑی خراب حکومتیں آئی ہیں۔ کسی سے بھی پوچھ کر دیکھ لیں' خود حکمران بھی جانتے ہیں کہ اگر لوگوں کو موقع دے دیا گیا تو وہ انھیں نکال باہر کریں گے۔ انھوں نے اقتدار پر قبضہ کے بعد اپنے عوام کو خوشحالی اور عدل سے محروم رکھا ہے۔ جہاں تک ترقی کا معاملہ ہے' وسائل کے لحاظ سے یہ علاقہ مالا مال ہے' اصولاً اسے بہت خوشحال ہونا چاہیے' لیکن یہاں کوریا' تائیوان یا ملائیشیا جیسی کوئی مثال نہیں ہے۔

مشرق وسطیٰ کے مسائل کا حل یہی ہے کہ یہاں زیادہ امن' زیادہ جمہوریت' زیادہ ترقی ہو۔ کچھ کہتے ہیں کہ سب چیزیں ایک ساتھ ہوں' لیکن یہ بس کہنے کی بات ہے' ایسا ہوتا نہیں ہے۔ بعض امریکیوں کا موقف ہے کہ معاشی خوشحالی ہو' تو سب مسائل حل ہو جائیں گے' جمہوریت بھی آجائے گی' جنگیں بھی بند ہو جائیں گی۔ امریکہ مشرق وسطیٰ کی حکومتوں کو مشورہ دیتا ہے کہ صنعتوں کی نج کاری کرو مگر ان ممالک میں اس کا مطلب مزید کرپشن ہے۔

میری رائے میں امریکی پالیسی ان تین نکات پر مرکوز ہونا چاہیے۔

ہمیں قیام امن کے امکانات کو آگے بڑھانا چاہیے۔ اس وقت فلسطینی یہ سمجھنے میں حق بجانب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں کہ اوسلو معاہدہ اسرائیل کو بالادستی فراہم کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایسے امن کے خلاف کسی وقت بڑی لہر اٹھ سکتی ہے۔ فلسطینی تمام عربوں سے زیادہ، جمہوریت کے خواہاں ہیں، ہمیں فلسطینی ریاست کی تائید کرنا چاہیے بشرطیکہ یہ جمہوری ہو۔ یہ اس وقت ہماری سرکاری پالیسی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہونا چاہیے۔ اس سے فلسطینیوں کا اعتماد حاصل ہوگا، جو سمجھتے ہیں کہ موجودہ طویل مرحلہ کے اختتام پر بھی وہ اپنی ریاست سے محروم رہیں گے۔

ایران کے خراب تجربے کے بعد، امریکی اسلامی تحریکوں کے بارے میں درست انداز سے سوچ نہیں سکتے۔ کوئی تو اسے ایسا عظیم خطرہ سمجھتا ہے جسے کسی بھی طرح دور کر دینا چاہیے۔ کوئی اسے مستقبل کی لہر قرار دے کر اس سے معاملہ کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ یقیناً جنگ جو اسلامی تحریکوں سے معاملہ آسان کام نہیں ہے۔ ایران اور سوڈان کے ہمارے تجربات اس کا ثبوت ہیں۔ اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ الجیریا میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو اس سے ہمارے تعلقات ٹھیک رہیں گے۔ اگر ہم اس سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں غور کرنا چاہیے کہ اسلامی تحریکوں کو غذا اور قوت کہاں سے فراہم ہو رہی ہے۔ میں سیکولر شخص ہوں، شاید میرا خیال غلط نہ ہو کہ بیشتر اسلامی تحریکیں بنیادی طور پر مذہب سے متعلق نہیں ہیں۔ یہ نااہل حکومتوں، کرپشن، ظلم اور معاشی استحصال کے خلاف ردعمل ہیں۔ جو حکومتیں برسراقتدار ہیں، انھیں یہ محسوس کرنا چاہیے کہ لوگ عاجز آئے ہوئے ہیں۔ صورت حال کی اصلاح صرف اقتصادی تدابیر سے نہیں ہو سکتی، سیاسی حکمت عملی بھی ہونا چاہیے۔ ہمیں اپنا رسوخ اس لیے استعمال کرنا چاہیے کہ حزب اختلاف کو سیاست کے ذریعے، نہ کہ تشدد اور دہشت گردی کے ذریعے شرکت کا موقع ملے۔ اس طرح یہ ایک مختلف علاقہ ہو جائے گا۔ جہاں استحکام جمہوریت اور ترقی ہو گی۔

ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ کسی حکومت کا خاتمہ، لازماً بہتر حالات پیدا نہیں کرتا۔ لبنان اور یوگوسلاویہ کی مثال سامنے ہے۔ اس لیے موجودہ اداروں کی توڑ پھوڑ سے پہلے، متبادل کی تیاری کرنا چاہیے۔ معاشی اور سیاسی ترقی کے لیے استحکام ناگزیر ہے۔

رچرڈ فاک، پروفیسر آف انٹرنیشنل لا، پرنسٹن یونیورسٹی

میں تین نکات کی طرف توجہ دلاؤں گا:

۱۔ امریکہ نے اس علاقے میں ریاستوں کے باہمی تعلقات پر توجہ دی ہے لیکن یہاں کے عوام کی بہتری کی فکر نہیں کی ہے۔ اس نے اس بے چینی کو نظرانداز کیا جو آج اسلامی انتہاپسندی کی شکل میں سامنے آرہی ہے۔

۲۔ ہم نے بحیثیت ایک ملک اس علاقے کی حد تک سرد جنگ کے خاتمہ کی حقیقت کو تسلیم نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ہے - اب یہاں دشمن ممالک کے مفادات نہیں ہیں - اب ہمیں محدود کرنے (containment) کی پالیسی اختیار نہیں کرنا ہے - ہمیں علاقے کے جن دو ممالک سے اندیشے ہیں 'ان سے سرد جنگ کی محدود کرنے کی نفسیاتی فضا سے آزاد ہو کر معاملہ کرنا چاہیے - ہم نے غیر ضروری طور پر نہ ختم ہونے والے مقابلے کی کیفیت پیدا کر دی ہے -

۳- علاقے کے مسائل کا جائزہ لیتے ہوئے ہم یہ نظرانداز کر دیتے ہیں کہ ان مسائل کو پیدا کرنے کی ہماری بھی ذمہ داری ہے - سرد جنگ کے پس منظر میں ' ۸۰ کے عشرے میں عراق کو اسلحہ ہم نے فراہم کیا - اب ہم ایک کمزور ' شکست خوردہ 'عراق کو امریکہ اور علاقے میں اس کے مفادات کے لیے اس تنومند عراق سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں ' جسے ہم نے خود ایران پر حملہ کرنے کے لیے اکسایا - دراصل ہم سرد جنگ کے نفسیاتی اثرات کے اسیر ہو گئے ہیں ---- دشمن نہ ہو 'تو ہم دشمن ایجاد کرنے کے لیے تیار ہیں اور پھر اس کو سائز سے بڑا تصور کر کے 'مقابلے پر آ جاتے ہیں -

میرا خیال ہے کہ امریکہ کی علاقے سے باہر کی ذمہ داری دو میدانوں میں ہے جس پر مناسب توجہ نہیں دی گئی ہے - ایک اسلحہ فراہم کرنے والوں کا کردار ہے - جب تک ہم اس بارے میں علاقے کے عوام کی خواہشات کے مطابق پالیسی اختیار نہیں کریں گے ' جمہوریت کے لیے ہماری باتوں کا کوئی وزن نہیں ہو گا - جب ہمارا صدر سعودی عرب کو فون کر کے کہتا ہے کہ فرانس کے بجائے امریکیوں سے اسلحہ خریدا جائے 'تو عوام سمجھ جاتے ہیں کہ ہماری حقیقی ترجیحات کیا ہیں -

دوسرا میدان ' ہمارے دہرے معیار ہیں ' جب امریکہ کے دوست اپنے عوام پر مظالم کرتے ہیں تو امریکہ نظریں چرا لیتا ہے - ہماری آنکھیں دشمنوں کی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو فوراً دیکھ لیتی ہیں اور حلیفوں کے لیے اندھی ہو جاتی ہیں -

اس صورت حال سے امریکہ کے لیے دو چیلنج سامنے آ رہے ہیں - پہلا 'علاقے کی دو قوم پرست تحریکوں سے تعمیری رشتہ استوار کرنے کا ہے - اب تک کے معاہدوں میں اسرائیل اور فلسطین کے ساتھ انصاف کا سلوک نہیں کیا گیا ہے - ان میں فلسطینیوں کے حق خود ارادیت کا تذکرہ بھی نہیں ' جو انھیں مطمئن کرنے کے لیے اور مسئلہ کو کامیابی سے حل کرنے کے لیے لازمی ہے - موجودہ یک طرفہ سمجھوتے سے ہی بنیاد پرست اسلامی رجحانات کو تقویت مل رہی ہے ' معتدل قیادت لوگوں کی نظر میں ناکارہ ثابت ہو رہی ہے ' حماس کے مزید طاقتور بننے کے لیے میدان تیار ہو گیا ہے - میں ابھی غزہ سے آیا ہوں اور کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک حقیقت ہے - ایک دھماکہ خیز صورت حال تیار ہو رہی ہے - امریکہ کی حکومت کو ' جو اسرائیل پر رسوخ رکھتی ہے ' ایسی پالیسی اختیار کرنا چاہیے کہ معتدل قیادت طاقتور ہو سکے - حساس فلسطینی قیام امن کے عمل کے مخالف ہو چکے ہیں - جو جمہوریت کے حامی ہیں ' وہ بھی اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمل کو دھوکہ سمجھتے ہیں۔ اس بات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ اس ملک کے میڈیا نے کیا ہے ' بلکہ اسے اہمیت دینا چاہیے۔

کردوں کے مسئلہ کو نظرانداز کرنا بھی غلط ہے۔ ۲ کروڑ کرد ظلم کا شکار ہیں ' ترکی کی حکومت ' ان پر ظلم کرتی ہے تو وہ ہم کو نظر نہیں آتے۔ اگر ہماری حکومت کردوں کی حمایت کرے ' اور ترکی کی حکومت سے معمول کے تعلقات قائم کرے ' تو اس کے مفادات کی بہتر خدمت ہوگی۔ موجودہ پالیسیاں سیاسی سوچ سے عاری نظر آتی ہیں۔ عراق پر پابندیوں سے شہری آبادی کو نقصان پہنچ رہا ہے ' چار سال میں ' اس نے حکومت کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ بین الاقوامی برادری ' عراق کے عوام کو اس بات کی سزا دے رہی ہے کہ مغربی حکومتیں ' خلیج کی جنگ کے بعد کے حالات سے نبرد آزما ہونے کی مناسب صلاحیت نہیں رکھتیں۔ امریکہ کی حکومت کو ' ان مسائل کو انسانی حقوق اور خود ارادیت کے اصولوں کے تحت حل کرنا چاہیے۔ جب تک یہ نہ ہوگا ' علاقے میں استحکام نہ ہوگا۔

عراق کے حملے کا اندیشہ نہایت گمراہ کن ہے۔ اصل خطرہ داخلی کشمکش کا وہ اظہار ہے جو اسلامی انتہا پسندی کی مختلف شکلوں میں ہو رہا ہے اور اب سعودی عرب میں بھی ہوا ہے۔ ایران کے تجربے نے امریکہ کو سکھایا ہے کہ اگر یہ طاقتیں اقتدار میں آگئیں ' تو امریکہ اپنے مفادات کی حفاظت نہیں کر سکے گا۔ لیکن اندرونی معاملات میں مداخلت کر کے مقاصد حاصل کرنے کی کوئی قابل اعتماد روایت نہیں ہے اس لیے ہمیں ایسے حالات پیدا کرنے چاہییں جن سے سیاسی اور مذہبی انتہا پسندوں کی حوصلہ شکنی ہو۔ ہمیں معاشی ترقی کو اولیت دینا چاہیے۔ اگر علاقے کے عوام کو حالات کی بہتری کی امید نہیں ہوگی ' تو مذہبی انتہا پسندی کی طرف بہاؤ جاری رہے گا۔ اس مقصد کے لیے علاقے کے ممالک کی اپنی پالیسی اور ہمارا اور ہمارے یورپی حلیفوں کا اس میں کردار ' غور و فکر کا موضوع ہے۔

میں آخر میں یہ کہوں گا کہ مجھے مشرق وسطیٰ کے مستقبل کے حوالے سے ' اپنے پالیسی سازوں میں اخلاقی سیاسی تصورات کے فقدان سے مایوسی ہوتی ہے۔ ہمیں نصف صدی میں بہتری کا جو موقع ملا ہے ' اسے ماضی کا اسیر ہونے کے بجائے ' مستقبل کی طرف نظر رکھ کر ' عوام کی بہتری ' انسانی حقوق پر سنجیدہ رویے ' جمہوریت کے لیے اخلاص ' فلسطینیوں کے ساتھ زیادہ مبنی بر انصاف پالیسی اور کردوں کے مسئلہ کے تعمیری حل کے راستے تلاش کرنے میں استعمال کیا جائے اور اسلحہ سازوں پر قدغن لگا کر ' فوجی رویے کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ ایٹمی مسئلہ پر بھی میں یہ کہوں گا کہ جب ہم اسرائیل کی پوزیشن کو نظرانداز کر کے ' دوسرے ممالک کو پابندی کا وعظ کہتے ہیں تو ہماری ساکھ کو دھچکا لگتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ ہمارے پالیسی ساز ایٹمی پھیلاؤ کے خلاف بولتے ہیں ' اور یہ نظرانداز کر دیتے ہیں کہ علاقے میں ایک ایٹمی طاقت موجود ہے۔

(Middle East Policy, Vol. 3, No. 2-3 1994 ' اخذ و ترجمہ و تلخیص)

© rasailojaraid.com